Fikr-o-Nasar (Islamabad) 14:10-11 (1977)
© rasailojaraid.com

علامہ اقبال اور عصر جدید کی جمہوریت

محمد مظہر الدین صدیقی

علامہ اقبال کے بعض اشعار سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ وہ عصر جدید کی جمہوریت کے مخالف تھے ۔ مثلاً وہ کہتے ہیں ۔

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

اسی طرح ان کا ایک اور شعر ہے ۔

جمہوریت وہ طرز حکوست ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

لیکن جب ہم اقبال کی نثری تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جمہوریت کے مخالف ہرگز نہیں تھے البتہ یہ ممکن ہے انہیں جدید جمہوریت کے بعض نقائص کا شدید احساس ہو۔ بات یہ ہے کہ اقبال کی زندگی میں روس کا کمیونسٹ انقلاب برپا ہوا جو ایک لحاظ سے جمہوریت کے خلاف ایک باغیانہ رد عمل تھا۔ پھر مسولینی نے اطالیہ میں فاسسطی نظام قائم کیا اور علانیہ جمہوریت کی مخالفت کی ۔ ان واقعات کا اثر اقبال پر بھی ہوا ۔ اور مزید یہ کہ انہوں نے متحدہ ہندوستان میں اپنے گرد و پیش جمہوریت کی جو شکل دیکھی وہ بھی انہیں پسند نہ آئی ۔ ان تمام عوامل کا اثر ان کی شاعری میں نمایاں ہے ۔ لیکن اقبال بالطبع جمہوریت پسند تھے ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ فرد کی اہمیت اور قدر و قیمت پر بڑا زور دیتے تھے اور ان کا فلسفہ خودی یک قلم ایسی اجتماعیت کی نفی ہے جس میں انفرادی آزادی اور فرد کی شخصیت کو بالکل کچل دیا گیا ہو۔ اقبال کی نثری تصانیف میں سب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ اہم ان کے انگریزی خطبات کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کے چھٹے خطبہ میں اسلام کے عقیدہ توحید کا ذکر کرتے ہوئے اقبال لکھتے ہیں ''بحیثیت ایک سیاسی نظام کے اسلام اصول توحید کو انسان کی عقلی اور جذباتی زندگی میں عملاً متشکل کرتا ہے۔ اسلام خداوندتعالی کی ذات سے وفاداری کا مطالبہ کرتا ہے نہ کہ تخت و تاج سے وفاداری کا اور چونکہ ذات خوداوندی ساری زندگی کی روحانی اساس ہے اس لئے خدا وند تعالی کی ذات سے وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی مثالی فطرت کا وفادار ہو''۔[1]

اسی خطبہ میں اجماع کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اقبال لکھتے ہیں ''اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجماع ہے جو میرے خیال میں اسلام کا اہم ترین قانونی تصور ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس تصور کے متعلق اسلام کے ابتدائی دور میں بھی اگرچہ گرما گرم علمی بحثیں جاری رھیں لیکن اسے ایک مستقل ادارہ کی شکل دینے کی کوئی کوشش کسی اسلامی ملک میں عمل میں نہیں آئی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے بعد جس قسم کی مطلق العنان شاہی حکومتیں قائم ہوئیں ان کا مفاد اس میں نہ تھا کہ اس تصور یعنی تصور اجماع کو ایک مستقل قانونی ادارہ میں متشکل کیا جاتا۔ اموی اور عباسی حکومتوں کے مفاد کا تقاضا یہ تھا کہ اجتہاد کا اختیار فرداً فرداً ہر مجتہد کو حاصل رہے نہ یہ کہ یہ اختیار کسی مجلس قانون ساز کو سونپا جائے جو ان حکومتوں کے بالمقابل صف آرا ہونے کی طاقت رکھتی ہو۔ بہر حال یہ امر اطمینان بخش ہے کہ دنیا جدید کے تقاضے اور یورپی اقوام کے سیاسی تجربات عہد جدید کے مسلمانوں کو تصور اجماع کی قدر و قیمت اور امکانات سے روشناس کر رہے ہیں۔ جمہوری خیالات کی ترقی اور اسلامی ممالک میں قانون ساز مجالس کی تدریجی تشکیل ترقی کا ایک بڑا قدم ہے۔[2] ترکی کے جمہوری انقلاب کا ذکر کرتے ہوئے اقبال واضح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الفاظ میں جمہوریت کی تائید کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں، ''ترکوں کا اجتہاد یہ ہے کہ اسلام کی روح کے مطابق خلافت یا امامت متعدد اشخاص پر مشتمل ایک جماعت یا ایک منتخب کردہ مجلس قانون ساز کو تفویض کی جا سکتی ہے۔ مصر اور ہندوستان کے علماء نے اس موضوع پر ابھی تک اظہار خیال نہیں کیا ہے لیکن شخصی طور پر میرا یہ یقین ہے کہ ترکوں کا یہ نظریہ بالکل درست ہے۔ جمہوری طرز حکومت نہ صرف اسلام کی روح سے مطابقت رکھتا ہے بلکہ عالم اسلام میں جو نئی قوتیں کار فرما ہیں ان کے پیش نظر یہ طرز حکومت ضروری ہوگیا ہے۔''[۳]

فرد کی آزادی اور حریت اور اس کی شخصیت کی قدر و قیمت کا تحفظ جمہوریت کا بنیادی اصول ہے۔ لیکن زندگی کی اجتماعی تنظیم میں بعض نظامات اس قدر غلو سے کام لیتے ہیں کہ وہ فرد کے لئے آزادی کا کوئی دائرہ نہیں چھوڑتے۔ نظم و ضبط جب ایک حد سے آگے بڑھ جائے تو وہ فرد کی شخصیت کو کو مضمحل کر دیتا ہے اور لامحدود پابندیاں شخصیت کے ارتقاء میں مزاحم ہو جاتی ہیں۔ اقبال نے اس صورت حال کے خلاف موثر احتجاج کیا ہے۔ بغداد کی تباہی کے بعد جو حالات پیدا ہوئے ان کا ذکر کرتے ہوئے اقبال لکھتے ہیں کہ چونکہ عالم اسلام اس وقت ایک دور انتشار سے گزر رہا تھا اس لئے فقہائے اسلام کی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں یکسانیت اور ہم آہنگی قائم رہے چنانچہ انہوں نے یہ کوشش کی کہ مسلمانوں میں کسی قسم کی جدت پسندی نہ پیدا ہونے دی جائے بلکہ ائمہ اربعہ نے شریعت اسلام کی تو تعبیر کی تھی اس کو من وعن قبول کر لیا جائے اور اس میں کوئی ترمیم یا اضافہ نہ ہونے پائے۔ ''ان کا یعنی فقہائے اسلام کا خیال یہ تھا کہ معاشرتی نظم میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک حد تک ان کا یہ خیال صحیح تھا کیونکہ تنظیم کے ذریعہ کسی حد تک ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوتوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے جو قوموں کو زوال کی طرف لے جاتی ھیں۔ لیکن انھوں نے اس امر کو نظر انداز کردیا اور ھمارے موجودہ علماء بھی اس امر کو نظر انداز کر رہے ھیں کہ کسی قوم کی تقدیر کا انحصار تنظیم پر اتنا نہیں ھوتا جتنا انفرادی شخصیتوں کی نشو و نما اور قوت پر ھوتا ھے۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں ضرورت سے زیادہ تنظیم سے کام لیا گیا ھو فرد کی شخصیت کو بالکل پامال کر دیتا ھے وہ یعنی فرد معاشرتی فکر کی ثروت سے تو مالا مال ھو جاتا ھے لیکن اپنی روح کی دولت کو کھو بیٹھتا ھے اس لئے زوال کی قوتوں سے نبرد آزما ھونے کی صورت صرف یہ ھے کہ ایسے افراد پیدا ھوں جو (self Concentrated) ھوں، یعنی اپنی خودی میں گم ھوں ایسے ھی افراد زندگی کی گہرائیوں تک پہنچ کر انھیں بے نقاب کر سکتے ھیں۔ ایسے ھی لوگ نئے معیارات پیش کر سکتے ھیں جن کی روشنی میں ھمیں یہ نظر آنے لگتا ھے کہ ھمارا ماحول پوری طرح صحت مند نہیں ھے اور اس میں تبدیلی ضروری ھو گئی ھے،،۔۴ اس اقتباس سے یہ ظاھر ھے کہ اقبال کمیونزم یا کسی اور ایسے نظام کے مخالف ھیں جس میں زندگی کو اتنا زیادہ منظم بنانے کی کوشش کی جائے کہ فرد کی آزادی اور حریت کا وجود مٹ جائے اس سے یہ ثابت ھوتا ھے کہ اقبال بالطبع جمہوریت پسند ھیں۔

اسلامی تصور جمہوریت کی وضاحت کرتے ھوئے اقبال لکھتے ھیں کہ اسلام کی رو سے پوری امت مسلمہ نہ کہ کوئی خاص فرد سیاسی اختیارات کی حامل ھے البتہ انتخاب کنندگان کسی باصلاحیت فرد کو یہ امانت سپرد کر دیتے ھیں اس طرح یہ حکمراں فرد پوری قوم کا نمائندہ ھوجاتا ھے۔ لیکن سیاسی اختیارات استعمال کرنے کے باوجود یہ نمائندہ عام مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی امتیاز و تفوق نہیں رکھتا۔ شریعت کی نگاہ میں اس کی حیثیت وھی رھتی ھے جو ایک عام مسلمان کی ھوتی ھے۔ نتیجہ یہ ھے کہ اسلام میں نصوص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صریحه کے بعد ملت اسلامیه کی اجتماعی رائے یعنی اجماع قانون سازی کی بنیاد ہے حدیث میں آتا ہے ۔ که مسلمانوں کی اکثریت جس بات کو پسند کرتی ہے اللہ تعالی بھی اس بات کو پسند کرتا ہے ۔ ( )
اس حدیث سے استنباط کرکے امام شافعی نے یه اصول وضع کیا که مسلمان کبھی ضلالت و گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے۔

اقبال کے نزدیک ''مسلمانوں کا خلیفه ان کا سب سے اعلی مذہبی رہنما نہیں ہوتا ہے اور نه وہ زمین پر خدا کا نائب ہوتا ہے ۔ نه ہی وہ معصوم ہے ۔ دیگر مسلمانوں کی طرح وہ بھی شریعت کے تابع ہوتا ہے ۔ مختصر یه که اسلام شخصی حکمرانی کا مخالف ہے ۔ ہر مسلمان کو یه حق پہنچتا ہے که وہ خلیفه پر آزادانه تنقید کرے ۔ ایک بوڑھی عورت نے حضرت عمر پر اعتراض کیا کیونکه اس کے خیال میں حضرت عمر قرآن کا مفہوم صحیح طور سے سمجھنے سے قاصر رہے تھے ۔ حضرت عمر نے بوڑی عورت کی اعتراضات نه صرف خندہ پیشانی سے سنے بلکه فیصله بھی اس کی رائے کے مطابق کیا ۔ جہاں تک انتخاب کنندگان کی قابلیت کا تعلق ہے اقبال کہتے ہیں که مال و جائیداد کی کوئی شرط عائد نہیں ہوتی ۔ تمام مسلمان مرد اور عورتیں انتخاب میں حصه لے سکتی ہیں اگرچه غلاموں اور عورتوں کو انتخاب میں حصه لینے کا موقع نہیں ملا ۔ آخر میں اقبال کہتے ہیں که کوئی طرز عمل جو فرد کی آزاد شخصیت کے ارتقاء میں مزاحم ہو اسلامی اخلاقیات اور شریعت کی رو سے جائز نہیں ہو سکتی ۔،،٥

مسلمانوں کے سیاسی جمود پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں که مسلمانوں نے انتخابی طریق کار کو کبھی نہیں اپنایا ۔ بغداد اور اندلس میں ایک قسم کا انتخابی عمل ہوتا رہا لیکن کوئی ایسے سیاسی ادارے قائم نہیں کئے گئے جو سیاسی زندگی میں استحکام اور تسلسل پیدا کر سکتے ۔ اقبال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے مسلمانوں میں سیاسی سرگرمیوں کے فقدان کے دو اسباب بتائے ھیں۔ اولاً ایرانی اور منگول دو بڑی قوموں نے اسلام تو قبول کرلیا مگر ان کے لئے انتخابی طریق کار نہ صرف بالکل ناقابل قبول تھا بلکہ وہ اس طریق کار کے سخت مخالف تھے۔ ڈوزی کہتا ھے کہ ایرانی ھمیشہ اپنے بادشاھوں کی پرستش کیا کرتے تھے اور انھیں الوھیت کا مظہر سمجھتے تھے۔ وہ ھر ایسے بادشاہ کے خلاف آمادہ بغاوت ھو جاتے تھے جو مظہر الوھیت ھونے کا مدعی نہ ھوتا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ مسلمان عموماً فوجی فتوحات میں منہمک رھے۔ اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ تمام طاقت اور اختیار ایک فرد واحد کے ھاتھ میں آگیا جمہوریت اور فوجی توسیع ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتی۔ مغرب نے جو اثرات مسلمانوں پر چھوڑے ھیں ان کا ذکر کرتے ھوئے اقبال کہتے ھیں کہ ھمیں مغرب کا ممنون ھونا چاھئے کہ اس نے ھمارے اندر سیاسی زندگی پیدا کی۔٦

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم جو اقبال کے بہت بڑے شارح ھیں، اپنی تصنیف 'فکر اقبال، میں لکھتے ھیں۔

''علامہ اقبال مغربی جمہوریت کے اس طریق کار کے مخالف تھے جس کی وجہ سے قوم کے صالح ور عاقل فراد مجالس آئین ساز میں داخل نہیں ھو سکتے۔ بعض مشرقی ممالک نے جو مغربی طریق انتخاب رائے اعضائے مجلس کا ڈھانچہ تقلیداً اختیار کر لیا ھے یا ان کے گزشتہ فرنگی حکمران مصلحتاً اس کو رائج کر گئے ھیں اس میں سے عجیب و غریب نتیجہ نکلتا ھے کہ علم و فضل والے اھل الرائے منتخب نہیں ھوسکتے۔ ووٹ ایسے جاھل زمینداروں کو ملتے ھیں جو اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے۔ کسی شخص کو نو اس کے علم کی بنا پر نہ موجودہ سیاست و معیشت کے فہم کی بنا پر اور نہ اس کے اخلاق حسنہ کی بنا پر منتخب کر کے واضح قوانین بنایا جاسکتا ھے۔ بلکہ کہیں ووٹ برادری کی بدولت ملتے ھیں، کہیں زمینداری اور سرمایہ داری کی بدولت اور کہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہیں عوام کی ابلہ فریبی اور بے خلوص خطابت سے بھی مطلب حاصل ہوتا ہے۔ غرضیکہ نہ علم نہ سیرت نہ معاملہ فہمی یا زرو زمین سے حکمرانی میں حصہ ملتا ہے یا نہایت ذلیل دروغ بافی اور جذبات انگیزی سے، اسی جمہوریت کے متعلق علامہ فرماتے ہیں کہ اس میں انسان کو گنا جاتا ہے اور تولا نہیں جاتا اور اس قسم کے دو سو گدھے بھی اگر ایک ایوان میں ڈھینچوں ڈھینچوں کرنے کے لئے جمع ہوجائیں تو وہاں انسانیت کی کوئی آواز سنائی نہیں دے سکتی۔

فکر صالح رکھنے والا ہر شخص یہ سوچتا ہے کہ اگر مغرب کا یہ طرز جمہوری ناقص ہے تو اس کا بدل کس طرح پیدا کیا جائے۔ مغرب تو آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس کا جو بھی بدل ہوگا وہ اس سے ناقص تر اور اس سے زیادہ خطرات سے لبریز ہوگا۔ لہذا اس کی مسلسل اصلاح کی جائے تاکہ یہ عیوب سے پاک ہوتا جائے اور تمام شہریوں کے بنیادی حقوق کی حفاظت سے زیادہ اور بہتر سے بہتر ہو سکے۔ اس جمہوریت سے مایوس اور کامل بیزاری نے مغرب میں یا مسولینی اور ہٹلر پیدا کئے یا روس اشتراکیت اقبال نے ان سب کو ناقص سمجھا اور اپنے ذہن میں اسلامی جمہوریت کا ایک تصور جماتے رہے جس کی عملاً معین صورت اس وقت کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ کوئی قابل عمل اسلامی نظام کا خاکہ پیش کرنے کے بجائے اب وہ کہتے ہیں کہ اس طرز جمہوری سے بھاگ کر کسی پختہ کار کی غلامی قبول کرلو، اس پختہ کار سے ان کی مراد کوئی عاقل و مجاہد درویش منش مرد مومن ہے۔ ایسا مرد کامل ملت اسلامیہ میں تو کہیں نظر نہیں آتا تو پھر کیا کیا جائے سوائے اس کے کہ انتظار کریں کہ

مرد از غیب بروں آید و کارے بکند،،

لیکن سوال یہ ہے کہ ایسے درویش منش مجاہد کی آمد کا کب تک انتظار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا جائے اور کیا اس دوران کاروبار حکومت بالکل معطل رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت قابل عمل نہیں ہے۔ اسلئے یہ ماننا پڑے گا کہ اب تک جمہوریت کا کوئی بہتر بدل تلاش نہیں کیا جا سکا اور اہل مغرب کا یہ خیال صحیح ہے کہ اگر اس میں نقائص ہیں تو ان کی اصلاح کی جائے جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اقبال بالطبع جمہوریت پسند ہیں وہ فرد کی آزادی اور خودی کے ارتقاء کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔ اس لئے کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ جمہوریت کے مخالف تھے، اصل میں وہ جمہوریت کی ناقص شکلوں سے بیزار تھے اور مثالی جمہوریت قائم کرنا چاہتے تھے مگر جیسا کہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب نے لکھا ہے کہ اس مثالی جمہوریت کا کوئی قابل عمل خاکہ پیش نہ کر سکے۔ اب یہ پاکستانی قوم کا اخلاقی، ملی اور سیاسی فرض ہے کہ وہ اقبال کے بلند افکار اور انقلابی تعلیمات اور اپنے تیس سالہ سیاسی و اجتماعی تجربات کی روشنی میں سنجیدگی سے اپنے اجتماعی نظام کا جائزہ لے، اور جمہوری اداروں کو صحت مند اخلاقی اور روحانی قدروں پر قائم کرنے کے لئے قابل عمل خاکہ مرتب کرے۔

حوالہ جات

۱۔ تشکیل جدید الہیات اسلامی (انگریزی) لاہور ۱۹۶۲ء ص ۱۴۷

۲۔ تشکیل جدید الہیات اسلامی (انگریزی) لاہور ص ۱۷۳، ۱۷۴

۳۔ تشکیل جدید الہیات اسلامی (انگریزی) ایضاً ص ۱۵۷

۴۔ تشکیل جدید الہیات اسلامی (انگریزی) ایضاً ص ۱۵۱

۵۔ سید عبدالواحد سیمنی۔ مقالات اقبال لاہور ۶۳ء ص ۸۸، ۸۹، ۹۹

۶۔ سید عبد الواحد سیمنی۔ مقالات اقبال ص ۱۰۰، ۱۱۱، ۱۱۲

۷۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ فکر اقبال تیسرا ایڈیشن ۶۴ء ص ۲۶۶، ۲۶۷

— — — —

© rasailojaraid.com